فضیلتِ آدم علیہ السلام

تحریر: محمود مرزا جہلمی
چیف ایڈیٹر ہفت روزہ ''صدائے مسلم''، جہلم

اللہ، احسن الخالقین نے آدمؑ کو احسنِ تقویم پر پیدا فرمایا اور ملائکہ سے انہیں سجدہ کرایا تو پہلے آدمؑ کو علمِ اسماء سکھایا اور اس کے ذریعے، فرشتوں پر آدم کی فضیلت ثابت فرمائی مگر شیطان نے انکارِ سجدہ کیا اور تکبر کیا کہ اس کا خمیر آگ سے اور آدمؑ کا مٹی سے اٹھایا گیا ہے اور آگ مٹی سے افضل ہے اس لئے برتر، کمتر کو سجدہ کیسے کرے؟ یہ نسلی تفاخر کا اولین مظاہرہ تھا جسے خالق نے ناپسند فرمایا۔ شیطان نے اپنے اس انکار سے، دراصل یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ خالق نے آدم کو جس شرف سے سرفراز فرمایا ہے، وہ اس کے لائق نہ ہے۔ شیطان کا یہ کہنا کہ وہ آدم اور اس کی اولاد کی اکثریت کو گمراہ کر کے، یہ ثابت کر دے گا کہ آدمؑ کا شرف کسی اعتماد کے لائق نہیں ہے۔ بارگاہِ قدس سے اس نے مہلت طلب کی جو اس کو مل گی۔ چنانچہ یہ معرکہ جنت کے اندر ہی شروع ہو گیا اور شیطان نے آدم و حوا سے، اس اولین حکم کی خلاف ورزی کرا دی جو انہیں جنت کے کسی درخت سے بچ کر رہنے کے متعلق دیا گیا تھا۔ یہ شیطان کی اولین کامیابی تھی جو یہ ثابت کرنے کیلئے کافی تھی کہ آدمؑ اس شرف کے لائق نہ تھے جو انہیں پیدائشی طور پر ودیعت کر دیا گیا تھا اور اگر اس نے ان کو سجدہ سے انکار کیا تھا تو یہ کوئی اتنا سنگین جرم نہ تھا کہ اسے مستقل طور پر ''رجیم'' ٹھہرا دیا جائے۔ کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ کی خلاف ورزی اگر اس نے انکارِ سجدہ کر کے کی تھی تو یہی خلاف ورزی آدمؑ نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا کر کر ڈالی تھی۔ بظاہر تو حساب برابر ہی لگتا ہے لیکن۔ یہاں بنیادی اور اصولی فرق موجود ہے شیطان سے جب وجہ انکارِ سجدہ دریافت کی گئی تو اس نے اپنے نسلی تفاخر و پندار کی دلیل سے اپنی برتری ظاہر کر کے اپنے فعل کا جواز پیش کیا تھا جبکہ آدم و حوا کے جونہی ستر کھلے تو انہیں اپنے فعل پر پچھتاوا ہوا اور وہ وقت ضائع کئے بغیر توبہ کرنے لگے جو بارگاہِ قدس میں منظور ہوئی۔ اس منظوری کے بعد انہیں دنیا میں اتارا گیا گویا نافرمانی کا صدور تو ہوا مگر اس پر اسرار یا کوئی عذر بہانہ پیش نہ کیا بلکہ فوراً اعتراف گناہ کیا گیا اور توبہ کی گئی۔ یہی فضیلت آدم ہے۔

اب تک جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس میں سے دو نکات سامنے آتے ہیں کہ انسان سے غلطی کا ہو جانا عین ممکن ہے مگر اس پر اصرار یا مداومت شیطان کا فعل ہے اور توبہ انسان کا شرف ہے۔ اس قبول توبہ کا ہی اثر تھا کہ آدم و حوا کو دنیا میں اتارا گیا تو باباجیؑ کے سر پر تاجِ نبوت بھی سجایا گیا اور انہیں اس ہدایت کے ساتھ زمین پر بھیجا گیا جس کے مطابق انہوں نے خود اور ان کی اولاد نے یہاں زندگی گزارنا تھی اور یہ بتا دیا گیا کہ اب انہیں اور ان کی اولاد کو

زمین پر ہی جینا اور مرنا ہے اور پھر اسی زمین سے ان کو زندہ کر کے جوابدہی کیلئے میدانِ حشر میں لانا ہے۔ دوسرا نکتہ یہ کہ انہیں شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لینے کی غلطی کی سزا کے طور زمین پر نہ اتارا گیا تھا۔ عام خیالی عوام میں یہی مشہور ہے کہ اُن کا زمین پر اتارنا، ان کی اسی غلطی کی سزا کیلئے تھا۔ زمین پر آنا تو پہلے سے طے شدہ تھا۔ وہ تو بنائے ہی خلافتِ ارضی کیلئے گئے تھے۔﴿انی جاعلٌ فی الارضِ خلیفة﴾

شیطان کو اس مقام علیا کا علم تھا کیونکہ اس کا اعلان فرشتوں کی جماعت کے سامنے کیا گیا تھا اور اسے گوارا نہ ہوا کہ آدمِ خاکی کو خلافتِ الٰہیہ سے سرفراز کیا جائے اور اسے نظر انداز کر دیا جائے حالانکہ وہ تخلیقی مادہ کے اعتبار سے اس سے افضل ہے۔ یہی تخلیقی برتری کا احساس ہے جسے نسلی تفاخر کہا جاتا ہے اور صریحاً شیطانی احساس ہے۔ اولادِ آدم میں سے وہ سارے طبقات جو ذات پات اور سماج میں اونچ نیچ کے قائل ہیں اور جنہوں نے اولادِ آدم کو برہمن و شودر اور کمیں و چوہدری میں تقسیم کیا ہے، اسی شیطانی عمل پر عمل پیرا ہیں۔ اسی طبقاتی تقسیم کا نتیجہ ہے کہ بعض لوگ جو کسی طرح چودھراہٹ، پاپائیت اور عظمت کے تخت پر متمکن ہو گئے ہیں انہوں نے اپنے لئے اونچی ذاتیں مقرر کی ہیں اور ساتھ اپنی مکاریوں اور چالاکیوں سے ارضی وسائل پر اپنے حصے سے زیادہ پر قبضہ جما لیا ہے۔ اونچی جاتی اور وافر ارضی وسائل پر قبضہ جمانے کے بعد انہوں نے اولادِ آدمؑ کو ہمیشہ کیلئے اپنی چاکری اور غلامی میں جکڑ لیا ہے۔ شیطان نے آدمؑ پر جو داؤ برتا تھا وہ یہی تھا کہ آپ خلقی اعتبار سے بہتر یعنی ''ملکین'' ہو جائیں گے اور آپ کو حیاتِ جاوداں مل جائیگی۔ یہی سبق آج تک وہ ہر بندہ نفس کو پڑھا رہا ہے کہ وہ خلقی طور پر دوسروں سے بہتر ہے، اور اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی حیاتِ مستعار کو زیادہ سے زیادہ پر آسائش اور طویل کرنے کیلئے ان وسائلِ رزق پر بھی تعدی کرے جن پر دراصل دوسروں کا حق تھا۔ یہ بندگانِ نفس، دراصل روئے زمین پر، شیطان اور رحمٰن کی جنگ میں، شیطان کی سپاہ ہیں۔ انہی نے اولادِ آدمؑ کو اول اپنا غلام بنایا اور پھر اپنی شیطانی خواہشات کی تسکین کیلئے، ان میں سے بعض کو کلاّل، دلاّل، کلاوَنت اور رقاص، موسیقار اور گائیک بنایا۔ انہی نے اپنے محلات کے آس پاس ان لوگوں کے ڈیرے آباد کئے تاکہ ان عشرت کدوں میں اپنی سفلہ خواہشات کی تکمیل کر سکیں۔ یہ ذریتِ شیطان ان طبقات کی سرپرستی اپنا طرۂ امتیاز خیال کرتی ہے اور ان کے ہنر کی قدردانی اور رمز شناسی پر فخر کرتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ''جشنِ بہاراں'' منانے اور پتنگ بازی سے اس وقت بھی باز نہیں آتے جب سمجھوتہ ایکسپریس خون میں نہائی ہوئی اور لاشوں سے اٹی ہوئی لاہور ریلوے اسٹیشن پر آتی ہے۔

آدمؑ کو بہکا کر، شیطان نے اولین کامیابی حاصل کر لی تھی اور وہ اپنے مقام پر ثابت کر چکا تھا کہ آدمؑ کو مسجود ملا

نک بنا کر جو شرف اسے بخشا گیا ہے، دراصل وہ اس کے لائق نہ تھے مگر...... یہ شیطان کی بھول تھی۔ کیونکہ آدمؑ کو جنت میں رکھ کر ہی یہ ثابت کیا جا سکتا تھا کہ بھول شیطان سے بھی ہوئی اور آدمؑ سے بھی مگر...... اول الذکر اپنی بھول پر اکڑ گیا اور جبکہ موخر الذکر اپنی بھول پر نادم ہو کر فوراً تائب ہو گیا اور اپنے شرف پر لگنے والے داغ کو توبہ کے آنسوؤں سے دھوڈالا۔ مختصر یہ کہ فرشتوں پر فضیلت آدمؑ علم سے اور شیطان پر توبہ سے ہے۔ اب اگر انسان علم سے خالی اور توبہ سے عاری ہو تو دونوں قسم کے شرف سے محروم ہو جائے گا۔ ملائکہ سراسر اطاعت اور شیطان سراسر بغاوت جبکہ انسان میں اطاعت و بغاوت دونوں کی لیاقت اور اختیار رکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر وہ بغاوت کی لیاقت کے باوجود اطاعت کی راہ اپناتا ہے تو ملائکہ سے افضل ہے اور اگر بغاوت، سرکشی اور طغیان کی پالیسی اختیار کرتا ہے تو شیطان سے بھی گیا گزرا ہے۔ آدمؑ کو جنت میں بسایا گیا تو ان کے ستر ملبوس و مستور تھے مگر...... پر جونہی انہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو ان کے ستر کھل گئے۔ یہاں علامہ محمد مدنی مرحوم نے عجیب تفسیر فرمائی کہ رشوت، سود اور خنزیر وغیرہ ممنوعہ اشیاء ہیں مگر بعض افراد و اقوام اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کھاتے ہیں تو اولین اثر ان کی حیا پر پڑتا ہے اور وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت ترک کر دیتے ہیں۔ مومن جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء و افعال سے مجتنب رہتا ہے، اسی کی مثال میں قرآن، کہتا ﴿والحافظون لفروجهم﴾ سود، سٹہ، جوا، شراب، رشوت اللہ نے حرام کئے پر بعض افراد و اقوام نے انہیں اپنے اوپر مباح کر لیا تو وہ فحاشی کا شکار ہو گئے۔ ان کے ستر کھل گئے۔ ان کے پردے اٹھ گئے۔ ان کی آنکھوں سے حیا کا کاجل ڈھل گیا۔ یہ رزقِ حرام اور اکلِ حرام کا نتیجہ ہے کہ روئے زمین پر بے حیائی اور فحاشی کا سیلاب آ گیا۔ ممنوعہ اور حرام اشیا اور رزقِ حرام کا استعمال، انسان کو ستر پوشی کے شرف سے محروم کر دیتا ہے۔ ﴿الاعلى ازواجهم﴾ کی شرط کی خلاف ورزی بڑی سنگین ہے۔ حیوانات، حیوان ہو کر بھی، اپنی منفی اعضا کو اسی قدر ضرور پردہ میں رکھتے ہیں، جس قدر وہ جبلی طور پر کر سکتے ہیں اور ان کا استعمال، ایک زبردست پابندی کے ساتھ، قانونِ فطرت کے تحت اپنی بقائے نسل کیلئے کرتے ہیں۔ یہ محض فریضہ فطرت کا بجالانا ہے گو کہ لذت کا حصول بھی موجود ہے مگر یہ جذبہ محض وظیفہ فطرت کی تکمیل کیلئے ہے۔ اب اگر انسان اسلام کی حرام کردہ اشیاء کھاتا ہے تو پہلی زد اس کے ستر پر پڑتی ہے جس کے نتیجے میں وہ عریانی کا شکار ہو کر حیوانات کے درجے سے بھی گر جاتا ہے۔ اسی لئے شیطان ستر کا بڑا دشمن ہے۔ اسے معلوم ہے کہ جب ایک بار ستر کے بارے میں انسان لاپروا ہو جاتا ہے تو پھر وہ ہر وہ برائی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے جس سے اللہ نے اسے روکا ہے۔ تہذیب حاضر، جس چیز کو روشن خیالی، آزاد خیالی اور ترقی پسندی جیسے ناموں سے موسوم ہوتی ہے، وہ دراصل عریانی کی پردہ پوشی کرنے کے بہانے ہیں تاکہ لوگ جب ان راہوں پر چلیں تو انہیں یہ کھٹکا نہ ہو کہ وہ غلط راہوں پر چلتے جا رہے ہیں بلکہ صرف اسی قدر کہیں کہ وہ تو جدید زمانے کے تقاضے پورے کرنے کیلئے آزادی فکر کے دلدادہ ہیں۔ آزادی فکر زندہ قوموں کا شیوہ ہے۔ ہم اس کے داعی ہیں مگر اپنی تہذیب و ثقافت سے اساسی و نظریاتی بغاوت

آزادی فکر نہیں بلکہ فکری گمراہی ہے۔شیطان ستر دری کو آزاد خیالی کے نام سے آگے بڑھاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آزاد خیالی، ترقی پسندی اور نام نہاد روشن خیالی میں عریانی قدر مشترک ہے۔ اسی ترقی پسندی کی ضرورت میراتھن ریس ہے۔

ممنوعہ اشیا مثلاً خنزیر، شراب، سود، رشوت اور جوا جن ممالک میں مباح ہیں، وہاں ستر کے سارے تصورات باطل ہو گئے ہیں۔شراب وشاہد لازم وملزوم ہیں۔ اسلام کی حیا، ستر کی حیا ہے اور ستر کی حفاظت کو نبی ﷺ نے جنت کی ضمانت قرار دیا ہے۔ اگر تہذیب وثقافت عریانی کا نام ہے تو پھر بیچارے حیوانوں کو انسان سے زیادہ مہذب ومتمدن کہنا چاہئے جو اپنے ستر کی حفاظت اس حد تک ضرور کرتے ہیں جس حد تک انہیں مکلّف کیا گیا ہے۔ پس شرف انسانی پاک دامنی، طہارت فکر، اعمالِ صالحہ، جہالت سے ارتکاب گناہ پر فوری توبہ اور ستر پوشی سے عبارت ہے۔ طہارتِ فکر بڑی ہی اہمیت کی حامل ہے۔فکر پاک دراصل ذکرِ پاک ہے۔معرفت حق کا شربت بڑا ہی شیریں ولطیف ہوتا ہے مگر یہ دل ودماغ کے پاکیزہ برتنوں میں ڈالا جاتا ہے۔شجر ممنوعہ کے متعلق، عوام میں یہ خیال رائج ہے کہ یہ گندم کا پودا تھا اور آدم وحوا نے خوشہ گندم ہی کھایا تھا مگر یہ خیال کسی تحقیق کا نتیجہ نہیں بلکہ یونہی فرض کر لیا گیا ہے۔ بلند پایہ مفسرین کا خیال ہے کہ شجر ممنوعہ کوئی سا درخت تھا اور نہ ہی اس کے پھل کی تاثیر تھی کہ جس سے ستر کھل گئے تھے۔غرض اس ممانعت کی صرف اسی قدر دیکھنا تھا کہ بھلا آدم وحوا، اس ممانعت اور انتباہِ الٰہیہ کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں؟ اسی خیال کے تحت دانہ گندم کھانے والوں کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان سے حفاظتِ ستر ہو ہی نہیں سکتی اور جب ہو ہی نہیں سکتی تو پھر پکڑ کیسی؟ مگر یہ سارے خیالات بے بنیاد ہیں کیونکہ اگر زوجین اولین نے واقعی دانہ گندم ہی کھایا تھا اور ان کے ستر کھل گئے تھے تو بھی ان کی خلقی اور فطری حیا برقرار رہی تھی کیونکہ انہوں نے فوراً اپنے ستر ڈھانپنے کی تدبیر کی اور اشجارِ باغِ جناں کے پتوں سے لباس بنایا، اور پھر اولادِ آدمؑ میں آردِ گندم کھانے والے ایک نہیں لاکھوں، کروڑوں، اربوں ایسے صلحا ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے جن کی حیا داری پر خود خالق گواہ ہے۔لہٰذا آردِ گندم کو اصولی طور پر دشمنِ حیا نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ پس شجر ممنوعہ بس ایک درخت تھا اور اس کے پھل کی تاثیر دشمن ستر نہ تھی۔ ستر کا کھل جانا تو محض اس احساس کیلئے تھا کہ انہوں نے وارننگ اور ممانعت کے خلاف عمل کر کے ارتکابِ سہو کیا ہے۔

اس قسم کی خیال آفرینی کا عوام میں مقبول ہو جانا بالکل اسی طرح ہے جس طرح دیگر بے شمار بے سرو پا قصے اور افسانے رواج پا جاتے ہیں اور مجمع باز قسم کے لوگ عوامی بیٹھکوں میں بیان کر کے آگے چلاتے رہتے ہیں۔ شعراء حضرات جو ایسے ہی ''غاوون'' کے حکم میں داخل ہیں، اس قسم کے باطل لطیفوں کو برت کر اپنی باتوں کا اثبات کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح سے یہ باتیں ضبطِ تحریر میں آ کر ثقاہت کا درجہ پا لیتی ہیں اور آئندہ نسلیں بلا تحقیق انہیں قبول کر لیتی ہیں۔ قصہ یوسفؑ جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اسے اگر یوسف زلیخا کے نام پر تیار ہونے والی داستانوں سے اس کا تقابل کیا جائے تو شاعرانہ خیال آرائی کا حال بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

والحمد للہ رب العالمین۔